ابن الجوزی اور تاریخ نویسی

از

(جناب مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب)

(سابق پرنسپل عثمانیہ یونیورسٹی کالج وصدر حیدرآباد اکیڈمی)

جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی کے نام سے ڈیڑھ قرن پہلے ہر مذہب وملت کا کم از کم شمالی ہند اور دکن کا طالب علم تقریباً اتنا ہی واقف ہوا کرتا تھا جتنا شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے نام سے اس لئے کہ ان کا ذکر گلستاں کی ایک حکایت میں بحیثیت استاد ومربی سعدی کیا گیا ہے اور گلستاں وبوستاں مکتب کے ہر بچے کی درسی کتابوں میں شامل تھے۔ لیکن صرف عربی داں جانتے تھے کہ ابن الجوزی کی وسعت وصحت معلومات کا عالم قرون وسطی کے عرب ماہران علوم وحکمت میں بھی شاذ ونادر تھا۔

اس بلند پایہ محقق کا نسب نامہ ابن خلکان (۱۲۱۱ء – ۱۲۸۲ء) نے حضرت ابوبکر صدیق رض تک بیسویں سلسلہ میں اس طرح پہنچایا ہے: ابوالفرج ابن ابی الحسن علی ابن محمد ابن علی ابن عبیداللہ ابن عبداللہ ابن حمادہ ابن احمد ابن محمد ابن جعفر الجوزی ابن عبداللہ ابن القاسم ابن النذر ابن القاسم ابن محمد ابن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن القاسم ابن محمد ابن ابوبکر صدیق رض

الجوزی کا لقب شاید مشہور بندرگاہ وزرخیز خطہ زمین الجوز سے منسوب ہے جو بحوالہ ابن خلکان حلب اور البیرا (واقع بالائی فرات) کے مابین تھا یا معروف عام پھل الجوز سے جو اس زمانہ میں واسط میں بطور درہم استعمال ہوتا تھا۔

ابن الاثیر نے تاریخ ولادت ۵۱۰ھ (م ۱۱۱۶ء) بمقام بغداد بتائی ہے۔ دوسرے راویوں نے دو سال قبل (۵۰۸ھ م ۱۱۱۴ء یا ۱۱۱۵ء) بیان کی ہے۔ وفات بغداد ہی میں

۱۲ رمضان ۵۹۷ھ (۴ جون ۱۲۰۱ء) کو واقع ہوئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ ۹۰ یا ۸۸ عیسوی سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔

خود ابن الجوزی نے اپنی تصنیف لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد میں اپنی زندگی کے حالات بیان کئے ہیں اور اپنے فرزند ابو القاسم کو نصیحت کی ہے کہ باپ کی طرح اپنی عمر تحصیلِ علوم حکمت میں صرف کر دے۔

ابن الجوزی کے والد بہت متمول تھے ان کو بہترین تعلیم دلوائی اور ان کی تربیت پر دھیان کیا۔ مرتے وقت بہت دولت معہ دو مکان چھوڑی۔ ایک میں خود ابن الجوزی رہتے تھے دوسرا کرایہ پر دیا جاتا تھا۔ ابن الجوزی نے بعد کو ساری متروکہ جائیداد کتابوں کی خرید پر صرف کر کے دونوں مکان بھی بیچ ڈالے اور ان کا روپیہ خریدیٔ کتب پر صرف کیا۔

۷ برس کی عمر میں انھوں نے امام احمد ابن حنبلؒ کی مسند پر تقریریں سنیں۔ دو برس بعد اپنے استاد ابو الحسن علی ابن عبداللہ ابن نصر الزاغونی کی جماعتِ درس میں شریک ہوئے (جن کی وفات محرم ۵۲۷ھ میں واقع ہوئی اور جو سنواری تاریخ کی ایک کتاب کے مصنف تھے) ۵۵۳ھ م ۱۱۵۹ء میں معمر ابن عبدالواحد سے درس حاصل کئے۔ ان استادوں سے ابن الجوزی نے اپنی کم سنی میں دینیات اور دیگر علوم کی بہترین تعلیم پائی۔ اپنی ذاتی فصاحت کی وجہ سے اس وقت کے چوٹی کے علما میں ان کا شمار ہونے لگا۔ بیس ہی سال کی عمر میں ان کی فصاحت اور خوش بیانی کا دور دور تک چرچا ہوا کرتا تھا۔ خلفاء بغداد، شہزادگان عالی تبار اور وزرار بنی عباس ان کی تقاریر سننے آتے تھے۔ بعض اوقات ان کے سامعین کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی، اتنے بڑے مجمع کے لئے مسجد کا صحن یا مکان کیا کافی ہو سکتا تھا بغداد کی شاہراہوں اور میدانوں میں لوگوں کو جمع ہونا پڑتا تھا۔ مدینہ طیبہ میں جب وہ تقریر کرتے تو وہاں بھی شہر کے میدان میں سامعین جمع ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع میں اکثر مباحثے ہوا کرتے تھے۔ دونوں فرقوں کے لوگ (بحوالہ ابن خلکان) ابن الجوزی کے فیصلے پر آمادہ

ہو جاتے تھے۔ اپنی تصنیف کتاب القصاص والمذکرین اور قبل از یں محولہ کتاب میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ سے زائد مسلمان ان کے اثر سے متقی بن گئے اور بیس ہزار منحرف شدہ پھر سے دین کی طرف لوٹ آئے۔ السبکی نے ان کی گرانقدر تصنیفات کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ابن الجوزی حنبلی مذہب کے پیرو تھے احادیث کی تحقیق میں بہت محنت کرتے تھے حتیٰ کہ امام غزالی کی احیاء العلوم الدین کی بعض حدیثوں کو ضعیف روایت پر مبنی بتایا۔ ان کی ایک کتاب الموضوعات بھی تیار کی آگے چل کر اسی قدر بلند پایہ کے ایک دوسرے مشہور عالم عبدالرحمٰن ابن ابوبکر السیوطی (وفات سنہ ۹۱۱ھ م ۱۵۰۵ء) نے النقط البدیعات لکھ کر ابن الجوزی کے ترک کردہ احادیث کو صحیح ثابت کیا۔

اس طرح ابن الجوزی نے عبدالمغیث ابن زہیر الحربی کی کتاب فی فضائل یزید پر بھی اعتراضات کئے۔ گولڈزیہر (Goldziher) لکھتا ہے کہ ابن الجوزی حنبلی عقیدہ کی تائید میں تعصب سے طرفداری کرتے تھے۔ اسی تعصب میں انھوں نے عبدالکریم السمعانی مصنف کتاب الانساب (تاریخ وفات سنہ ۵۶۲ھ م ۱۱۶۷ء) پر اعتراضات کئے ابن الاثیر نے بھی ان کے حنبلی عقیدہ کی بیجا طرفداری کی شکایت کی ہے۔ حنبلی عقیدہ کی خوبیوں سے متعلق انھوں نے الباز الاشہب تصنیف کی۔

اپنی کتاب جامع المسانید والالقاب میں صرف امام احمد ابن حنبل، امام البخاری، مسلم اور الترمذی کو معتبر مانا ہے۔ النسائی اور ابن ماجہ کے پیش کردہ اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی بناء پر حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ اکثر مصنفین کو ان کی رایوں سے اختلاف تھا۔

تقریر میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ ان کی تصنیفات کی کثرت کی وجہ سے بھی دنیائے اسلام میں ان کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ زبان عربی میں کثیر التعداد کتب لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن اس خصوص میں السیوطی ہی کو ان کی برابری کا درجہ نصیب ہوا۔ خود ابن الجوزی نے

اپنی کتابوں کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ براکلمین (Brockalmann) اپنی تصنیف Geschichte der arabischen Litteratur میں ان کی ۱۸۱ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ بہت سی کتابیں یقیناً دستبرد زمانہ سے تلف ہوگئی ہوں گی اتنے وسیع پیمانہ پر جو کام ہوا زیادہ تر تالیف ہی کی حیثیت کا ہو سکتا تھا کیونکہ انسانی معلومات کا کوئی شعبہ اس فہرست سے موازنۃً لسانیات تاریخ، سیرت، دینیات (حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف، وعظ ونصیحت) طب، جغرافیہ وغیرہ اس میں شامل تھے۔

لیکن ان کی شہرت زیادہ تر کتب تاریخ علی الخصوص کتاب المنتظم وملتقط الملتزم فی اخبار الملوک والامم پر مبنی ہے۔ براکلمین نے ابن الجوزی کی حسب ذیل کتب تاریخ کا بھی ذکر کیا ہے۔ الذہب المسبوک فی سیر الملوک، شذور العقود فی تاریخ العہود (... میں پیغمبر اور فرشتوں کا ذکر ہے) عجائب البدائع (تاریخی قصوں کا مجموعہ) تلقیح فہوم اہل الآثار فی مختصر السیر والاخبار اور عام سیر پر صفۃ الصفوۃ (ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء کا خلاصہ) کتاب فی اخبار الاذکیاء الذین قویت فطنتہم وتنقد ذکائہم بقوت جوہریت عقولہم، کتاب الحکماء والمغفلین، کتاب القصاص والمذکرین۔

کتاب المنتظم | سنواری ترتیب میں تاریخ عالم پر لکھی گئی ہے جس میں ابتداء عالم سے آنحضرت صلعم کی زندگی تک اور پھر خلیفہ بنی عباس المستضیٔ کے ۵۷۵ھ تک کے واقعات شامل ہیں۔ گویا مصنف کی وفات سے کچھ ہی وقت پہلے کتاب اختتام کو پہنچی۔ ابتداءً اس کی ۱۲ جلدیں تھیں بعد کے نقل نویسوں نے اس کو قبل اسلامی اور بعد اسلامی حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے ممالک مشرق ومغرب کے کتب خانوں میں موجود ہیں (مثلاً ایا صوفیہ، دمشق۔ برٹش میوزیم۔ گوتھا بودلیئن۔ پیرس۔ کیوپرلی زادہ۔ آتش افندی۔ قاہرہ۔ لائیڈن وغیرہ میں۔ معہذا اس کے کئی خلاصے بھی ہیں۔

کتاب المنتظم کا موضوع اور اسکی نوعیت | اس کتاب میں قدیم طریقہ تاریخ نویسی کے بموجب سنواری واقعات

بیان کئے گئے ہیں۔ حدیث کی کتابوں کی طرح راویوں کے اسناد پیش کئے گئے ہیں یہی طریقہ الطبری نے اخبار الرسل والملوک کے لکھنے میں اختیار کیا تھا۔ بعد کو آنے والے مورخوں (مثلاً عزالدین ابن الاثیر ۶۰۱ھ ۱۲۳۴ء) نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا تھا۔

اہم اسلامی واقعات ابن الجوزی کی تصنیف میں الطبری کی تصنیف سے زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ علی الخصوص قرامطہ کے حالات اور بویہیہ سلاطین کی تاریخ جو ۳۲۲ھ سے شروع کر کے الکامل فی التاریخ مصنفہ ابن الاثیر سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں

خلفاء اسلام کے سوانح حیات بھی زیادہ تحقیق اور صراحت سے بیان کئے گئے ہیں خلیفہ کی تخت نشینی کے واقعات۔ اس کا نسب نامہ، حلیہ وغیرہ بھی بتایا گیا ہے۔ ایسے ممتاز مصنفوں کے حالات بھی ضبط تحریر کئے گئے ہیں۔ جن کی تصانیف دستبرد زمانہ سے تلف ہوگئیں اور جن کا پتہ الطبری اور ابن الاثیر کی تاریخوں میں نہیں ملتا۔ خالص سیاسی معلومات کے لئے الطبری کی تاریخ (جس میں ۳۰۲ھ تک کے کوائف درج ہیں) ابن الجوزی کے کتاب المنتظم سے زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح بعد کے زمانہ کے لئے ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ بھی زیادہ مفید ہے۔

۲۷۸ھ کے واقعات کے ساتھ ابن الجوزی نے قرامطہ ان کے عقائد اور تاریخی حالات بیان کئے ہیں جو الطبری سے مختلف اور زیادہ قابل اعتماد ہیں اسی طرح بویہیہ سلاطین کے حالات ۳۲۲ھ کے آخر تک بڑی صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

ابن الجوزی کی کتاب میں اس امر کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ موسمی تغیرات عجیب و غریب طبعی واقعات اور مناظر سماوی کا مصدقہ بیان قارئین کے سامنے پیش کیا جائے دجلہ و فرات کی طغیانیاں، تند طوفانوں، بارشوں، وباؤں زلزلوں، دمدار تاروں، شہاب ثاقب کی بوچھاڑوں اور غیر معمولی شدید صاعقوں کی تفصیل بعض اوقات سیاسی واقعات سے بھی بڑھ کر لکھی گئی ہے۔ بغداد کے باشندے کی حیثیت سے شہر بغداد اور بصرہ کے حالات بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں نئی مساجد کی تعمیر سرکاری وغیر سرکاری عمارات

کی ترمیم بغداد بصرہ اور دیگر بلادِ اسلام کے انتظامی معاملات حج بیت اللہ کے قافلہ سالاروں عاملوں، قاضیوں، والیوں وغیرہ کے نام اور امتیازی حالات بھی ظاہر کئے گئے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ مکہ مدینہ اور دمشق کے اعیان کا بھی ذکر شامل ہے۔

۷۵ھ کے سیاسی کوائف میں بیان کیا گیا ہے کہ عبدالملک بن مروان پہلا اموی خلیفہ پہلا حکمراں تھا جس نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اس سے پہلے خالص اسلامی کوئی سکہ نہیں تھا سنواری واقعات میں سال زیر بحث میں انتقال کرنے والے خلفاء امراء و علماء کے سوانح حیات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے نام ابجدواری فہرست میں ترتیب دئے گئے ہیں۔ نام کے ساتھ کنیت اور لقب بھی شامل ہیں۔ یہ بیان مکمل اسناد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تقریباً ہر صورت میں (ابو منصور عبدالرحمٰن ابن محمد القزاز یا ابوالفضل محمد ابن ناصر الحافظ السلامی کے حوالے درج ہیں چونکہ ان مشہور محدثین کی تصنیفات و تالیفات مفقود ہوگئی ہیں ابن الجوزی کی کتاب میں ان کے حوالے بڑی اہمیت رکھتے ہیں ابن الجوزی نے مشاہیرِ اسلام کے سوانح حیات بڑی تحقیق اور تفصیل سے لکھے ہیں ان کے وفات کی صحیح تاریخ مشخص کرنے میں بھی بڑی کوشش کی گئی ہے اگرچہ ابو الفرج الاصفہانی (قریب ۳۵۶ھ - ۹۶۷ء) کی کتاب الاغانی یا السمعانی کی کتاب الانساب اور شمس الدین احمد ابن محمد ابن خلکان (۱۲۱۱ء - ۱۲۸۲ء) کی وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان سیرت کی مشہور مستند کتابیں ہیں ابن الجوزی کی کتاب المنتظم میں جو مواد اس قسم کا فراہم کیا گیا ہے بعض مستشرقین کی رائے میں متذکرہ بالا کتب پر بھی سبقت لے جاتا ہے اس لحاظ سے کتاب المنتظم کی باضابطہ ادارت بہت ضروری ہے اور وہ بہت مفید ثابت ہوگی اسی وجہ سے زمانہ مابعد کے مصنفین نے (مثلاً سبط ابو شامہ وغیرہ) ابن الجوزی کی بڑی مدح سرائی کی ہے

کتاب المنتظم کے ذرائع معلومات | ظاہر ہے کہ ایسی جامع کتاب لکھنے کے لئے ابن الجوزی کو بہت سے ماہران تاریخ کی تحریرات کا غائر مطالعہ کرنا پڑا ہوگا الطبری یا ابن الاثیر کی طرح وہ صرف اپنے ذریعہ

معلومات کا نام دینا ہی کافی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ مکمل اسناد پیش کیا کرتے تھے اس زمانہ کے شہر بغداد کے ممتاز علماء سے ان کو اچھی واقفیت تھی اور وہ ان کی تصانیف کا غائر مطالعہ کیا کرتے تھے ان میں سب سے زیادہ سربرآوردہ ابو منصور عبدالرحمن ابن محمد القزاز تھے۔ الطبری کے بعد القزاز ہی کی معلومات سے انھوں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔ افسوس کہ ایسے بلند پایہ عالم کا ذکر صرف الذہبی کی کتاب (سنواری تاریخ) کے خلاصہ منتقی العبر میں پایا جاتا ہے جس کا لکھنے والا ابوبکر ابن احمد ابن قاضی شہبہ (تاریخ وفات ۸۵۱ھ) ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ القزاز کی وفات ۵۳۵ھ (م ۱۱۴۰ء۔ ۱۱۴۱ء) میں واقع ہوئی اور وہ الخطیب البغدادی کے شاگرد اور بلند پایہ محدث تھے۔ القزاز کے بعد ابن الجوزی ابو الفضل محمد ابن ناصر الحافظ السلامی کا حوالہ دیتے ہیں جو محدث العراق کے لقب سے مشہور تھے اور بقول الذہبی ۵۵۰ھ (م ۱۱۵۵ء) میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد تیسرے درجہ میں ابو القاسم اسمٰعیل ابن احمد ابن السمرقندی کے حوالے دئے گئے ہیں جو ابن الجوزی کے ہم عصر تھے اور الذہبی کے بیان کے بموجب، ۵۳۶ھ (م ۱۱۴۱ء۔ ۱۱۴۲ء) میں انتقال کر گئے وہ بھی الخطیب البغدادی کے شاگرد اور بلند پایہ محدث تھے۔

الخطیب البغدادی کا جن کے یہ نامور شاگرد تھے پورا نام ابوبکر احمد ابن علی ابن ثابت تھا۔ ان کی وفات کی تاریخ ۴۶۳ھ مطابق ۱۰۷۱ء بتائی گئی ہے۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب المنتظم میں خطیب البغدادی سے بھی کئی روایتیں منقول کی ہیں۔ مشاہیر بغداد کی وفات سے متعلق ابن الجوزی نے جو واقعات بیان کئے ہیں ظن غالب ہے کہ الخطیب البغدادی کی تاریخ بغداد سے اخذ کئے گئے ہیں۔

ابن الجوزی کا نواسا جو سبط ابن الجوزی کے لقب سے دنیائے علم میں مشہور ہے ایک ترک کا لڑکا تھا تاریخ ولادت ۱۱۸۶ء اور وفات ۱۲۵۷ء ہے۔ بغداد میں پیدا ہوا ابن الاثیر کا ہم عصر تھا۔ اپنے نانا کے نقش قدم پر اس نے کئی کتابیں لکھیں جن میں مرآۃ الزمان فی تاریخ

الایام از ابتداء تا ۵۵۶ھ تا ۱۱۷۶ء بہت مشہور ہے ۔ اہل مغرب بھی اس سے بخوبی واقف ہیں۔

راقم الحروف کو قرون وسطی کے مظاہر فلکی کی تحقیق میں پروفیسر ڈی ۔ ایس مارگولیوتھ پروفیسر عربی جامعہ آکسفورڈ سے ایک عرصہ تک مراسلت اور تبادلہ خیال کا موقع ملا ۔ چونکہ کتاب المنتظم میں سیاسی و عام تاریخی واقعات کے تذکروں کے ساتھ ان مظاہر کا بھی اکثر جگہ ذکر آیا ہے اور پروفیسر مارگولیوتھ کے ایک شریک ریسرچ ڈاکٹر جوزف سوموگی (Joseph Somogyi) ساکن بڈاپسٹ (Budapest) نے ابن الجوزی کی کتاب المنتظم پر ایک رسالہ جنرل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جنوری ۱۹۳۲ء میں شائع کیا تھا پروفیسر موصوف نے اس رسالہ کی ایک کاپی میرے پاس تحفۃً روانہ کی تھی مضمون بالا مواد زیادہ اسی سے اخذ کیا گیا ہے ۔

ڈاکٹر سوموگی صاحب عرب مورخین کو ایرانی داستان نویسوں کا شاگرد بتا کر تمہید میں لکھتے ہیں کہ عرب تاریخ نویسی سنواری واقعہ نگاری تک ہی محدود رہی اور ان کی کوشش زیادہ تر اسناد کی فراہمی اور تحقیق میں صرف ہوتی رہی ۔ ممالک مغرب کے اکثر مستشرقین کی بھی یہی رائے ہے ۔ افسوس کہ مسلم مورخین کی صداقت بیان اور محققانہ تلاش کی بہت کم لوگوں نے داد دی ۔ مسلم ثقافت کے آخری دور میں بلند پایہ مسلم ماہران علم و حکمت کا فقدان اس کمی کو پورا نہ کر سکا ۔ زمانہ حال کے ممالک مغرب کے مستشرقین اب قرون وسطی کے مسلم علماء کی قدر پہچاننے لگے ہیں ۔ پرنسٹن (Princeton) یونیورسٹی کے پروفیسر سامی ادب فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) اور مندل اور ... کے ایڈیٹر ڈاکٹر جارج سارٹان Sarton وغیرہ مسلم محققین کے علمی خدمات کے نہ صرف معترف بلکہ مشکور بھی ہیں ۔ مسلم مورخین کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی طرف ان لوگوں نے توجہ کی ہے ان کی راست گوئی ہے اچھی بات ہو کہ بری انھوں نے ہمیشہ بلا کم و کاست بیان کر دی ان کا مطمح نظر ہمیشہ صداقت رہا ۔ پالیسی کی خاطر انھوں نے واقعات کا رنگ بدل کر کبھی پیش نہیں کیا یہ ایسی خوبیاں ہیں کہ "مہذب" دنیا کو ابھی ان سے سیکھنے کی ضرورت ہے ۔